ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

خود غرضی

''افراد سے بڑھ کر جماعتوں اور پوری پوری قوموں پر خود مطلبی اور خود غرضی کا شیطان مسلط ہوگیا ہے، سیاسی جماعتیں، جماعتی خود غرضی اور خود بینی میں مبتلا ہیں، اس قومی خود غرضی نے ساری دنیا کو تجارت کی منڈی یا لوہار کی بھٹی بنا رکھا ہے اور ساری زمین کو ایک وسیع میدان جنگ میں تبدیل کردیا ہے، اسی قومی خود غرضی کی خاطر بڑی سے بڑی بے اصولی اور بے آئینی روا ہے، اس کے ادنیٰ اشارہ پر لاکھوں بے گناہ انسانوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، ایک قوم پر دوسری قوم کو مسلط کردیا جاتا ہے، بھیڑ بکریوں کی طرح ایک قوم کو دوسری قوم کے ہاتھ بیچ ڈالا جاتا ہے، متحدہ ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے جاتے ہیں۔''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں: ۱۳۰)

مركز الإمام أبی الحسن الندوي
دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

اسلامی اخوت کا رشتہ

مولانا ابوالکلام آزادؒ

''اسلام کے نزدیک وطن ومقام اور رنگ وزبان کی تفریق کوئی چیز نہیں، رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے، اس کو وہ کسی انسانی تفریق وتقسیم کی حد نہیں قرار دیتا اور انسان کے تمام دنیوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں، اصلی رشتہ صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے، وہ ایک ہے، پس اس کے ماننے والوں کو بھی ایک ہی ہونا چاہیے، اگرچہ سمندروں کے طوفانوں، پہاڑوں کی مرتفع چوٹیوں، زمین کے دور دراز گوشوں اور جنس ونسل کی تفریقوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہو، ''بے شک تمہاری جماعت ایک ہی امت ہے اور ہم ایک ہی تمہارے پروردگار ہیں۔''

اے برادران ملت! یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت اور دعوت اسلام کی وحدت تھی، جس نے زمین کے دور دراز گوشوں کو ایک کر دیا تھا، اسلام نے ریگستان حجاز میں ظہور کیا، مگر صحرائے افریقہ میں اس کی پکار بلند ہوئی، اس کی دعوت کی صدا جبل بو قیس کی گھاٹیوں سے اٹھی مگر دیوار چین سے صدائے ''اشہدان لا الہ الا اللہ'' کی بازگشت گونجی، تاریخ کی نظریں جس وقت دجلہ وفرات کے کنارے پیروان اسلام کے نقش قدم گن رہی تھیں، عین اسی وقت گنگا اور جمنا کے کنارے سینکڑوں ہاتھ تھے جو خدائے واحد کے آگے سربسجود ہونے کے لیے وضو کر رہے تھے، یہ تمام دنیا کی مختلف قومیں زمین کے دور دراز گوشوں پر بسنے والی آبادیاں گویا ایک ہی گھر کے عزیز تھے، جن کو شیطان رجیم کی تفرقہ اندازیوں نے ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا، لیکن خدائے رحیم نے ان صدیوں کے بچھڑے ہوئے دلوں کو ایک دائمی صلح کے ذریعہ پھر ایک جگہ جمع کر دیا اور ان کے روٹھے ہوئے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے منا دیا کہ تمام پچھلے شکوے اور شکایتیں بھول کر ایک دوسرے کے بھائی اور شریک رنج وراحت ہو گئے، ''اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر نازل کی گئی، جب کہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے، مگر اسلام نے تمہارے دلوں میں محبت والفت پیدا کر دی اور تم دشمن کی جگہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے۔''

یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے، ہر انسان جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا، تو وہ اس برادری میں شامل ہو گیا، خواہ مصری ہو، خواہ نائیجریا کا وحشی ہو، خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک، لیکن اگر وہ مسلم ہے تو اس ایک خاندان توحید کا عضو ہے، جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں۔''

(خطبات آزاد: ۱۷-۱۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۴ — فروری ۲۰۲۲ء - رجب المرجب ۱۴۴۳ھ — شمارہ: ۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

اسلام میں خیر خواہی

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ. قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ:

لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

("دین خیر خواہی کا نام ہے۔" ہم نے عرض کیا: (خیر خواہی) کس کے لیے؟ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے لیے، اُس کی کتاب کے لیے، اُس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں اور عوام کے لیے۔")

(صحیح مسلم: ۹۵)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

خودغرضی کا مانسون (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

نیا زمانہ- نئے فتنے.....۴

.....مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

اسلام ایک غیور مذہب.....۶

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

حلف الفضول کی ضرورت.....۸

.....مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

سچائی کیا ہے؟.....۱۰

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

عشر وزکوٰۃ کے مصارف.....۱۲

.....مفتی راشد حسین ندوی

ابوبکر الرازی (Greatest Physician).....۱۴

اردو صحافت کی بدلتی قدریں.....۱۵

.....مولانا محمد مجیب الرحمٰن دیودرگی

سیکولرزم (Secularism).....۱۷

.....محمد مکی حسنی ندوی

رام راجیہ کا قافلہ کہاں رکے گا؟.....۱۹

.....محمد نفیس خاں ندوی

اپنے سوا ہمیں تو کسی کا گلہ نہیں

نتیجۂ فکر:- مولانا عامر عثمانیؒ

جس نے بتوں سے حکم بغاوت دیا نہیں
ہوگا خدا کسی کا وہ میرا خدا نہیں

میں کیا کہوں کہ عشق کی قدرت میں کیا نہیں
لیکن سروں میں آج یہ سودا رہا نہیں

ہم ہی وفا کے عہد پہ قائم نہ رہ سکے
اپنے سوا ہمیں تو کسی کا گلہ نہیں

صدیاں ہوئیں کہ آئی تھی گلشن میں فصل گل
لیکن دلوں سے اس کا تصور گیا نہیں

انساں کو جو سکون دل وجاں نہ دے سکے
وہ ارتقاء کسی بھی مرض کی دوا نہیں

لذت فروش وروح شکن عصر نو کے پاس
سب کچھ تو ہے مگر دل درد آشنا نہیں

جس کے جلو میں جہد وعمل کی تڑپ نہ ہو
وہ صرف اک فریب دعا ہے دعا نہیں

منبر سے لے کے مدرسہ وخانقاہ تک
عامرؔ کہاں ـــــــ ہجوم نمود وریا نہیں

مدیر کے قلم سے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

خودغرضی کا مانسون

جب سے الیکشن کا بگل بجا ہے لگتا ہے کہ پورا ملک دو خانوں میں تقسیم ہو گیا ہے، ایک گاہک اور دوسرا بیوپاری، بولیاں لگ رہی ہیں، لگتا ہے کہ خودغرضی کا مانسون چھایا ہوا ہے، ہر شخص کو اپنی فکر ہے یا اپنی پارٹی کی فکر ہے، اور وہ بھی اس لیے کہ اس سے بھی لوگوں کے اپنے مفادات وابستہ ہیں، ملک کے بارے میں فکر کرنے والے، اس کو آگے بڑھانے والے اور سماج کو جو روگ لگ گئے ہیں ان کو دور کرنے کے بارے میں سوچنے والے شاید چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔

اس وقت خاص طور پر جس طرح فسطائی طاقتوں نے سر اٹھایا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ خالص اپنے مفادات کے لیے ملک کے مفادات کو جس طرح بھینٹ چڑھانے کی کوششیں کی جارہی ہیں وہ ایک انتہائی خطرناک صورت حال ہے، اگر خدانخواستہ ملک اسی رخ پر چلتا رہا تو اس سے ملک کی سالمیت واتحاد کے لیے بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

ملک کی طویل تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ایک پھولوں کا گلدستہ رہا ہے، مختلف افکار وخیالات کے لوگ یہاں رہے ہیں اور سب کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا گیا ہے، اس ملک کا یہ امتیاز رہا ہے، یہ محبت وآشتی کی سرزمین رہی ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ جیسا اخلاق ومحبت کا پیکر یہاں پیدا ہوا، جس نے پورے ملک کو روشنی پہنچائی، آج بھی ان کا نام محبت واحترام کے جذبات کے ساتھ لیا جاتا ہے، مسلم حکمرانوں کی رواداری کی داستانیں آج کتابوں میں محفوظ ہیں، افسوس ہے کہ تاریخ کو بھی مسخ کرنے کی کوششیں جاری ہیں اور نصاب تعلیم میں بھی ایسی من گھڑت باتیں داخل کی جارہی ہیں جو دلوں کے درمیان دراڑیں پیدا کرنے والی ہیں، ضرورت دلوں کو جوڑنے کی تھی جس سے انسانوں میں باہمی محبت وہمدردی پیدا ہوتی ہے اور کسی بھی ملک کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہاں کے باشندے آپسی ملاپ اور محبت کے ساتھ رہیں اور ان کی صلاحیتیں مثبت اور تعمیری کاموں میں استعمال ہوں، جس سے ملک کی تعمیر ہو، ورنہ آپس کی لڑائیاں ملک کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرنے لگتی ہیں، پھر اس کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ سب مل کر ملک کی تعمیر کریں، کرپشن کو دور کریں، امن وسکون کی زندگی جئیں اور جینے دیں۔

مذہبی آزادی یہاں کے قانون کا حصہ ہے، قانون کی بالادستی کسی بھی ملک کی سالمیت واتحاد اور تعمیر وترقی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے، ورنہ لاقانونیت کے نتیجہ میں جو انتشار پیدا ہوگا وہ روکے نہ رک سکے گا۔

ہر فرد کو، ہر پارٹی کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ضرورت ہے، اپنے مفاد کے لیے ملک کو کسی حیثیت سے بھی نقصان پہنچانا حقیقت میں اپنے کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے، ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، کشتی میں اگر کوئی سوراخ کرے، اس کو نقصان پہنچائے تو اس سے ہمارا وجود خطرہ میں ہے، آدمی تکلیف اٹھالے لیکن ملک کی حفاظت پر آنچ نہ آنے دے۔

ملک کے اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر اٹل بہاری واجپئی جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی عیادت کے لیے ندوہ آئے، تو حضرت مولانا نے ان سے برجستہ یہی فرمایا کہ واجپئی جی ملک کی فکر کیجیے، اس کشتی کو کمزور کیا جارہا ہے۔

الیکشن کے موقع پر ہر امیدوار کو صرف اپنی کامیابی نظر آتی ہے اور اس کے لیے وہ ایسے نامناسب ذرائع بھی استعمال کرتا ہے جو بعض مرتبہ ملک کے لیے ناسور ثابت ہوتے ہیں، خودغرضی کی یہ شکلیں اگر باقی رہیں تو یہ بڑے خطرہ کی بات ہے۔

سب کو اپنی ذات اور اپنی پارٹی سے بلند ہو کر سوچنا ہوگا اور سب سے پہلے ملک کے مفاد کو سامنے رکھنا ہوگا، ملک رہے گا تو سب رہیں گے، ہر ہر یہاں کا رہنے والا وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو یا کسی ذات سے، وہ یہاں کے لیے ایک انرجی کی حیثیت رکھتا ہے، خود اس کو بھی سمجھنا ہوگا اور اپنی ذمہ داری ادا کرنی ہوگی اور دوسرے کو بھی یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ کسی کو بھی کمزور کرتا ہے تو وہ اس ملک کی ایک طاقت کو کمزور کرتا ہے۔

نیا زمانہ، نئے فتنے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب، اس کی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قانون، اس کے نظام تعلیم، اس کے زبان وادب اور رسم الخط اور اس کے پورے ورثہ سے الگ کر دیا جائے اور اسلام چند عبادات اور رسوم وتقریبات کا (جو بعض مذاہب کا کل سرمایہ اور بعض قوموں کا واحد مذہبی نشان ہے) مثلاً شادی اور غمی میں کیا ہونا چاہیے، مردے کو کس طرح آخری مرحلہ سے گذارا جائے وغیرہ وغیرہ، بس اسلام انہی مذہبی ومعاشرتی رسوم (Rites) کا مجموعہ بن کر رہ جائے، میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہو، لیکن پھر بھی اندازہ ہے کہ شاید ابھی یہ مرحلہ دور ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے کہا جائے کہ آپ کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، آپ کو کوئی خاص عقیدہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں، آپ روزہ نہیں رکھ سکتے، آپ زکوٰۃ نہیں دے سکتے، لیکن وہ مرحلہ ضرور آ گیا ہے کہ مسلمانوں سے اشارہ اور کنایہ سے اور کبھی کبھی صاف کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی رضا ورغبت سے اپنی جداگانہ تہذیب اور ہر اس چیز سے بے تعلقی اختیار کرلیں جو ان میں ایک الگ ملت اور ایک مستقل تہذیب کا وارث ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے، وہ خود ہی اعلان کردیں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں ہیں، وہ خود اپنے عائلی قانون (پرسنل لا) میں اصلاح وترمیم کا مطالبہ کریں اور اپنے لیے وہی یکساں قانون پسند کریں جو سارے ملک کے لیے نافذ ہو، وہ اپنے تمام تعلیمی مرکزوں کو جو انہوں نے اپنی پسند وضرورت کے مطابق قائم کیے تھے، حکومت کی تحویل اور انتظام میں دے دیں اور ان کے نظم ونسق سے خود دست بردار ہو جائیں، تاکہ ان سے ایک ہی طرح کے ماڈل تیار کیے جائیں، جو اس سیکولر اور اشتمالیت پسند ملک سے ہم آہنگ ہو، حکومت اسلام کی مخالف نہیں اور اس کو اسلام کے ختم کرنے کے کام سے کوئی دلچسپی نہیں، اس کو تو اس پر فخر ہے کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی مسلم برادری یہاں آباد ہے، اس کو آباد رہنا اور پھلنا پھولنا چاہیے، اس سے بڑے بڑے کام لیے جاسکتے ہیں اور بین الاقوامی اور سیاسی موقعوں پر اس کو ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، آج صاف صاف کہا جارہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے تو ان کو قومی دھارے میں بہنا چاہیے اور قومی دھارے کے معنی یہ ہیں کہ آپ تمام تشخصات سے دست بردار ہو جائیں، آج کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان رہو، تمہیں کوئی نہیں ٹوکتا، یہ فرقہ وارانہ فسادات تو ایک مریض کی ہذیانی کیفیت اور ہسٹریا کا ایک دورہ ہے جو ہمیشہ نہیں رہے گا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ بہت کم ہوگئے ہیں اور میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ وہ اور بھی کم ہو جائیں گے، میرے نزدیک یہ اصل خطرہ نہیں، اصل خطرہ نسل کشی کا نہیں معنوی ارتداد کا ہے، ذہنی وتہذیبی ارتداد، اس خطرہ کو دیکھنے اور اس کو محسوس کرنے کے لیے کسی بڑی فراست اور دور بینی کی ضرورت نہیں، یہ تو دیوار کا نوشتہ ہے، جس کو ہر ایک پڑھ سکتا ہے۔

آج معاملہ بدعات کا نہیں، آج معاملہ انگریزی تعلیم کا نہیں ہے، آج معاملہ ایک طرف شرک جلی، اصنام پرستی اور دیومالائی عقائد (میتھالوجی) کا ہے، آج معاملہ برہمنی تہذیب اور ہندو معاشرت کے قبول کرنے کا ہے، دوسری طرف آج معاملہ مکمل لادینیت اور کمیونزم کے قبول یا رد کرنے کا ہے، آج معاملہ ایک ایسی قوم کی حیثیت اختیار کرنے کا ہے جس کی ساری وفاداریاں ووابستگیاں اس خاک کے ساتھ ہوں جن سے ہمارے ظاہری جسم کا خمیر اٹھا ہے، اسی کے لیے جینا اور مرنا ہو، آج کا چیلنج اور آج کا خطرہ پچھلے تمام چیلنجوں اور خطرات سے زیادہ سنگین ہے اور اس کے قبول کرنے کے لیے

کہیں زیادہ جرأت، کہیں زیادہ ایمان اور استقامت اور کہیں زیادہ ایثار وقربانی کی ضرورت ہے۔

پہلے انقلاب بڑی سست رفتاری اور آہستہ خرامی کے ساتھ آتا تھا، جیسا زمانہ تھا ویسا ہی انقلاب بھی، وہ بیل گاڑیوں، ہاتھیوں اور اونٹوں اور زیادہ سے زیادہ تیز رفتار گھوڑوں کا زمانہ تھا، اس وقت انقلاب انہی سواریوں کی رفتار سے آتا تھا، پھر ریل چلی، انقلاب ریل پر سفر کر کے آنے لگا، ہوائی جہاز چلے انقلاب کی رفتار تیز ہوئی، اب انقلاب ایٹمی انرجی استعمال کرتا ہے، آواز سے زیادہ تیز جہازوں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ دم کے دم میں گھر گھر پہنچ جاتا ہے۔

آج سلطانی جمہور کا زمانہ ہے، ہمارے اوپر پارلیمنٹ کی حکومت ہے اور اس کو آئین سازی کا پورا اختیار ہے، پھر حکومت کا دائرہ پہلے کی طرح دفاع، امن قائم کرنے اور ٹیکس وصول کرنے تک محدود نہیں، وہ زندگی کے تمام شعبوں اور تعلیم وتربیت کے تمام ذرائع پر حاوی ہے اور گھر اور باہر کی کوئی چیز اس کے دائرہ اختیار سے خارج نہیں، رات پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس ہوجاتا ہے اور آج سارے ملک میں اس کا نفاذ، اس وقت ہم اور آپ یہاں ہیں، ممکن ہے اس وقت پارلیمنٹ کا کوئی اجلاس ہو رہا ہو، وہاں ایک قانون بن جائے اور ہماری زندگی میں کوئی اہم تبدیلی واقع ہو، آپ کو معلوم ہے کہ پرانی حکومتیں پرائیویٹ معاملات میں دخل نہیں دیتی تھیں، ذاتی ملکیتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، آزاد درسگاہوں سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا، آپ جسے پرسنل لا کہتے ہیں، یعنی شادی بیاہ اور ترکے وغیرہ کا قانون، اس سے ان کو کوئی علاقہ نہیں تھا، تعلیم میں کسی خاص عقیدہ، کسی خاص فکر ومقصد پر ان کو اصرار نہ تھا، اب دنیا بدل چکی ہے، آپ کو سمجھنا چاہیے کہ آپ کس جگہ بیٹھے ہیں، زمانہ کے انقلاب نے اس جگہ پر آپ کو اچانک لا کھڑا کیا ہے؟

بڑے خطرہ کی بات یہ ہے کہ خود مسلمانوں کے اندر ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے جو غیر مسلموں کے مقابلہ میں ''مدعی سست گواہ چست'' کی مصداق ہے، وہ اگر کوئی بات ادھ کٹی اور دبی زبان سے کہتے ہیں تو یہ اس کو ڈنکے کی چوٹ پر کہنے کے لیے تیار ہیں، وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہاں کی مشترک تہذیب میں ضم ہوجانا چاہیے اور تمام امتیازات یہاں تک کہ عربی، اسلامی ناموں سے بھی چینی مسلمانوں کی طرح دست بردار ہوجانا چاہیے، وہ صاف کہتے ہیں کہ اگر ہم کو ہندوستان میں رہنا ہے تو ہر اس چیز سے دست بردار ہونا پڑے گا جس میں ''من وتو'' کی تمیز پیدا ہوتی ہے اور جو مسجد وکلیسا میں امتیاز کرتی ہے، اس وقت جو ذہن ہندوستان کی قیادت کر رہا ہے، وہ ہر اس چیز سے بھڑکتا ہے، جو کسی قسم کا امتیاز اور تشخص پیدا کرتی ہے۔

لیکن ہمارے دین کے حدود معین ہیں، ہمارے دین کے اس ''اکال الامم'' سرزمین میں اپنی جداگانہ شکل وصورت کے ساتھ باقی رہنے کا راز اسی میں مضمر ہے کہ اس میں آریائی مذاہب کی طرح اطلاقیت، یا تعینات سے گریز اور رقت وسیالیت نہیں ہے، جس نے ہمہ اوست کے عقیدہ یا وحدت ادیان کے فلسفہ کو جنم دیا، ہمارے یہاں کفر وایمان، شرک وتوحید، ضلالت وہدایت اور حلال وحرام کے درمیان واضح طریقہ پر خط کھینچا ہوا ہے: ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا﴾ (تو جو شخص سرکش سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں)

وہ وحدت ادیان کا نہیں بلکہ وحدت حق کا قائل ہے، یعنی سب دین ایک نہیں، بلکہ حق ایک ہے، وہ صاف اعلان کرتا ہے کہ ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ﴾ (اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا، تو تم کہاں پھرے جاتے ہو)

اس کا ایک واضح اور معین نظام عقائد ہے، اس کی ایک مستقل تہذیب ہے، مکمل قانون اور نظام معاشرت ہے، یہاں نہ کوئی آپ کو دھوکہ دے سکتا ہے نہ دوسرے کو، یہاں دن کی روشنی ہے جس میں سپید وسیاہ صاف نظر آتا ہے۔

اسلام ایک غیور مذہب

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اسلام ایک غیور مذہب ہے، جو تمام مذاہب کو نسخ کر دیتا ہے اور ان کا ابطال کر دیتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى﴾(البقرة: ٢٥٦) (بس جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا)

آیت میں اللہ پر ایمان لانے سے پہلے طاغوت کے انکار پر زور دیا گیا ہے، اس کا رد کیا گیا ہے اور اس کو نا قابل قبول بتایا گیا ہے، معلوم ہوا اللہ پر ایمان لانے کے لیے دوسری چیزوں کی نفی ضروری ہے، اسی لیے کلمہ توحید میں بھی پہلے نفی ہے پھر اثبات ہے، ورنہ اگر صرف اثبات ہی مقصود ہوتا اور نفی کی ضرورت نہ ہوتی تو یوں ہوتا: "الله هو الإله الواحد" یعنی تنہا اللہ ہی الہ واحد ہے، لیکن نفی انتہائی ضروری ہے اور اس کے بغیر بات صاف نہیں ہو سکتی، اسی لیے کہا گیا کہ "لا الہ الا اللہ" یعنی کوئی الہ نہیں ہے مگر سوائے اللہ کے۔

اسلام میں مکمل داخل ہونے کے لیے قولی نفی کے ساتھ عملی نفی بھی انتہائی ضروری ہے، یعنی اگر کفریہ ماحول ہے اور عقائد پر زد پڑ رہی ہے تو آدمی کو ایسے حالات میں اسلام کی کسوٹی پر کھرا اترنا پڑے گا، خواہ کیسے ہی ناخوشگوار حالات پیش آجائیں اور اگر آدمی اپنے مذہب میں پختہ نہ ہو، بلکہ جس ماحول میں رہے ویسا ہی اپنے آپ کو بنالیتا ہو اور کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے تو اس کی زندگی دشوار نہیں ہوگی، بلکہ تمام لوگ مل جل کر زندگی گذارتے رہیں گے، لیکن اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین حق قبول کرتا ہے تو اس کو ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا اور غیر معمولی مراحل سے بھی گذرنا ہوگا، خواہ پورا معاشرہ اس کے خلاف ہو جائے اور اس پر عرصہ حیات بالکل تنگ ہوتا چلا جائے، سورۂ کافرون میں صاف صاف کہہ دیا گیا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ☆ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ☆ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ☆ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ☆ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ☆ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾(الكافرون: ١-٦) (کہہ دیجیے اے انکار کرنے والو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور نہ مجھے اس کی عبادت کرنی ہے جس کی عبادت تم کرتے رہے ہو اور نہ تمہیں اس کی عبادت کرنی ہے جس کی عبادت میں کرتا ہوں، تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں عمل کے لیے بھیجا ہے، لہٰذا اگر انسان اچھے اعمال کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ آخرت میں اچھا معاملہ کرے گا اور اس کی جزا عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ انسان کی ہمت اور اس کے جذبہ قربانی یا اللہ کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھنے کے جذبہ کا اس طور پر امتحان لیتا ہے کہ وہ دنیا کو انسان کے لیے زینت بناتا ہے اور زینت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو کسی چیز میں مزہ معلوم ہو اور وہ چیز اچھی لگے، لہٰذا دنیا میں جتنی بھی زینت کی چیزیں ہیں وہ انسان کی سہولت کے لیے ہیں، انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کو مزہ حاصل ہوتا ہے، لیکن ان کو استعمال کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ احکام دیے ہیں کہ تم فلاں کام اس طرح کرو اور اس میں اپنا مزہ نہ دیکھو بلکہ اللہ کی رضا دیکھو، تاہم اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو عمل کا اختیار دیا ہے اور اس سلسلہ میں اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں رکھی ہے، خواہ وہ کدھر بھی جائے، حالانکہ اگر اللہ چاہتا تو رکاوٹ پیدا کر سکتا تھا، قرآن مجید میں بھی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو سب نیک ہو جاتے اور کوئی بد ہوتا ہی نہیں، لیکن ہم نے انسانوں کو عمل کا اختیار اس لیے دیا ہے تاکہ ان کو آزمایا جا سکے، اگر وہ چاہیں تو برائی اختیار کریں اور اگر چاہیں تو اچھائی اختیار کریں:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾(السجدة:

۱۳) (اور اگر ہماری مشیت ہی ہوتی تو ہم ہر شخص کو اس کا راستہ دے ہی دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات طے ہو چکی کہ میں جہنم کو انسانوں اور جناتوں سب سے بھر کر رہوں گا)

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً﴾ (الإنسان: ۳) (ہم نے صحیح راستہ اسے بتا دیا ہے، اب خواہ وہ احسان مانے یا انکار کر دے)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صاف صاف بتا دیا ہے کہ اگر تم اچھائی اختیار کرو گے تو تمہارا نتیجہ اچھا ہوگا، لیکن اگر تم پر نفس اتنا غالب آ گیا کہ تم اللہ کی رضا کو نظر انداز کر بیٹھے اور نفس کی راحت کو ترجیح دیتے رہے تو پھر تم صرف دنیا میں مزے کر لو، اس لیے کہ ہم نے تمہیں یہاں مزے کرنے کا اختیار دیا ہے اور اگر یہ اختیار نہ ہوتا تو پھر امتحان بھی نہ ہوتا، لہٰذا اختیار ملنے کی وجہ سے تم یہاں مزے اڑا لو، لیکن تمہیں آخرت میں نقصان پہنچے گا اور وہاں تم کو اس کا بہت سخت نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ بعض مرتبہ بندوں کی نیتوں اور ان کے جذبات کو دیکھتا ہے، کیونکہ انسان سے بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اللہ کو خوش کر دیتی ہیں اور اللہ ان کی وجہ سے راضی ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے کتے کو پانی پلا دیا تو اللہ نے جنت دے دی، حالانکہ کتے کو پانی پلانا بہت چھوٹی سی چیز ہے، لیکن اس کے اندر جو جذبہ تھا وہ اللہ نے پسند کیا، ظاہر ہے اللہ کو اختیار ہے وہ جس چیز کو پسند کر لے، اگر وہ چاہے تو چھوٹے عمل پر بڑی جزا دے دے، جیسا کہ کتے کو پانی پلانے پر اللہ تعالیٰ نے جنت دے دی، حدیث میں ہے:

عن أبی هريرة (رضی اللہ عنہ) عن النبي صلى الله عليه وسلم أن رجلا رأى كلبا يأكل الثرى من العطش، فأخذ الرجل خفه فجعل يغرف له به حتى أرواه، فشكر الله له فأدخله الجنة" (صحيح البخاری: ۱۷۳)

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا، تو آدمی نے اپنا موزہ اتارا اور اس میں چلو سے پانی بھر کر کتے کو پلایا، یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ کام پسند آیا اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔)

معلوم ہوا بعض وقت آدمی کا ایسا عمل ہو جاتا ہے کہ اللہ اس کی غلطیوں کو بھی معاف کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ فضل کا معاملہ فرماتا ہے اور ایسا مسلسل ہوتا رہتا ہے، انسان کو بعض دفعہ خود نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو ہمارا کون سا عمل پسند آ گیا ہے، لیکن دنیا چونکہ دار الامتحان ہے اس لیے ان چیزوں کو اللہ ظاہر نہیں کرتا بلکہ مخفی رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کسی بھی چیز کو بے مقصد پیدا نہیں کیا، بلکہ ہر چیز کی ایک غرض رکھی ہے اور اسی غرض کے مطابق وہ چیز انجام پا رہی ہے، انسانوں کو بھی اللہ نے یوں ہی پیدا نہیں کیا، بلکہ ان کی تخلیق کا بھی ایک مقصد ہے، چونکہ انسانوں اور جنات دونوں کا امتحان مقصود ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا انجام بھی جنت اور دوزخ کی شکل میں پیدا کیا ہے، ان کے علاوہ باقی مخلوقات کی تخلیق کے مقاصد دوسرے ہیں، لہٰذا وہ مخلوقات باقی رہیں گی یا پھر اس میں جو ختم کی جانے والی مخلوقات ہیں وہ ختم کر دی جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسانوں کی ضرورت کے لیے پیدا کیا ہے، لہٰذا جب انسان کی ان سے وابستہ ضرورت ختم ہوگی تو جانور بھی ختم ہو جائیں گے، لیکن انسان اور جن یہ دو مخلوقات ایسی ہیں جن کو اللہ جنت یا جہنم بھیجے گا، ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی زندگی اصل رکھی ہے اور دنیا کی زندگی اس تک پہنچنے کا ایک ذریعہ بنائی ہے، جہاں ہر انسان کو اپنے اعمال لے کر پہنچنا ہے، ہر انسان دنیا سے اعمال ہی لے کر جائے گا، لہٰذا جیسے اعمال لے کر جائے گا، اسی کے لحاظ سے آخرت میں اس کا انجام طے کیا جائے گا کہ وہ کدھر جائے، وہاں اس کو ہمیشہ رہنا ہے، تو ہمیشہ کہاں رہے گا، جنت میں یا جہنم میں؟ اس لیے کہ وہاں رہنے کے لیے صرف یہی دو چیزیں ہوں گی۔

حلف الفضول کی ضرورت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات کو پوری انسانیت کے لیے عموماً اور امت محمدیہ کے لیے خصوصاً اسوہ ونمونہ بنایا گیا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان پر جس طرح کے بھی حالات پیش آئیں آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں اس کو نقش راہ اور نمونۂ عمل مل جائے گا، وہ غالب ہو یا مغلوب، فتح یاب ہو یا شکست سے دوچار، مالدار ہو یا غریب، دوستوں کے درمیان ہو یا دشمنوں کے درمیان، اپنوں سے سابقہ ہو یا بے گانوں سے، ہر جگہ اور ہر حال میں سیرت طیبہ اس کے لیے چراغ راہ اور خضر طریق ہے، شاید اسی مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب ومقبول بندے کو ہر طرح کی آزمائشوں سے گزارا ہے اور وہ تمام مصیبتیں جو اس امت پر آسکتی ہیں، ان سب سے آپ کو بھی دوچار کیا گیا ہے، تاکہ جب ایسے حالات پیش آئیں تو مسلمان نور نبوت کی رہنمائی سے محروم نہ رہ جائیں اور انہیں کسی اور چراغ سے روشنی مستعار نہ لینی پڑے۔

اس وقت ہندوستان کے مسلمان جس صورت حال سے دوچار ہیں، اس میں سیرت کے ایک خاص واقعہ کو پڑھنے اور اس سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور وہ ہے ''حلف الفضول'' کا واقعہ، واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نبی بنائے جانے سے پہلے ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ قبیلہ بنوزبید کے ایک صاحب مکہ آئے اور انہوں نے عاص بن وائل سہمی سے اپنا تجارتی مال فروخت کیا، عاص نے قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول شروع کی اور ظلم وانکار پر اتر آیا، چنانچہ اس مسافر نے ٹھیک اس وقت جب قریش صحن کعبہ میں بیٹھا کرتے تھے، بوقیس کی پہاڑی پر چڑھ کر لوگوں کو آواز دی کہ ایک مظلوم شخص کی پونجی لے لی گئی ہے، ایک ایسے شخص کی جو اپنے وطن اور بال بچوں سے دور ہے اور حرم محترم کی وادی میں مقیم ہے، اس طرح کے ظلم وزیادتی کے واقعات مکہ میں پیش آتے رہتے تھے، لیکن اس اجنبی شخص نے کچھ ایسے درد کے ساتھ اپنی فریاد پیش کی کہ قریش کے رحم دل لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور قریش مکہ کے چند اہم خاندان (بنو ہاشم، بنومطلب، اسد بن عبدالعزیٰ، زہرہ بن کلاب اور تیم بن مرہ) کی اہم شخصیتیں عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہوئیں اور آپس میں معاہدہ کیا کہ مکہ میں کوئی بھی مظلوم ہو، خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا مکہ کے باہر سے آیا ہو، ہم سب مل کر اس کی مدد کریں گے اور ظالم کو حق دینے پر مجبور کریں گے، اس معاہدہ کا نام ''حلف الفضول'' رکھا گیا۔

اس معاہدہ کی اس لیے غیر معمولی اہمیت تھی کہ جزیرۃ العرب میں کوئی حکومت قائم نہیں تھی، لا اینڈ آرڈر کے لیے کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا، عرب کے مختلف قبائل کے درمیان بڑا تعصب اور تعصب کی وجہ سے اپنے خاندان کا تحفظ پایا جاتا تھا، لیکن اگر کوئی کمزور خاندان ہو یا اجنبی لوگ ہوں تو ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا، ان حالات میں یہ معاہدہ لا اینڈ آرڈر کو قائم رکھنے اور کمزوروں کو طاقتوروں کے ظلم سے بچانے کی ایک منظم کوشش تھی، رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس اس معاہدہ میں شریک تھے اور اسلام کے غلبہ کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر اب بھی مجھے اس کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔ (فتح الباری: ۴/۴۷۳)

ہندوستان میں اس وقت مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں اور سیاسی اعتبار سے جس تنہائی کا شکار ہیں، ان کے لیے سیرت کا یہ واقعہ بہترین پیغام اور ان کی دشواریوں کا حل ہے، حلف الفضول کس ماحول میں قائم کی گئی تھی؟ ایسے ماحول میں جب ظالموں کو ظلم سے روکنے والی قوت موجود نہیں تھی، جب مظلوموں کے لیے انصاف حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، جب برائیاں تھیں، لیکن برائیوں کو چیلنج کرنے والی کوئی طاقت نہیں تھی، حلف الفضول کا مقصد کیا تھا؟ معاشرہ میں انصاف کا قائم کرنا، کمزوروں کو انصاف دلانا اور ظلم

سے بچانا، حلف الفضول کا طریقہ کار کیا تھا؟ جمہور کی مدد سے ظالم کا پنجہ تھامنا، اجتماعی شیرازہ بندی کے ذریعہ قیام عدل کی کوشش کرنا، چھوٹی چھوٹی طاقتوں کو جمع کر کے ایک بڑی طاقت اس لیے تیار کرنا کہ ظلم کو روکا جائے اور انصاف قائم کیا جائے۔

ہمارے ملک میں بھی اس وقت یہی صورت حال ہے، ظلم کا خونی پنجہ اتنا طاقتور ہو چکا ہے کہ علی الاعلان خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے، عزت وآبرو پامال کی جاتی ہے، بستیاں اجاڑی جاتی ہیں اور لاشوں پر چڑھ کر اقتدار کے قلعہ پر قبضہ کرنے کی جدوجہد کی جاتی ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ لوگ اس صورت حال کو دیکھ کر بے قرار ہو جائیں، ہر زبان ایسے ظالم کو ٹوکے، ہر ہاتھ ایسے ظالم کو روکے اور ہر آنکھ ان پر غیظ وغضب کی آگ پھینکے، مگر عملاً صورت حال یہ ہے کہ ظالموں کی حمایت میں نعرے لگائے جارہے ہیں، ذرائع ابلاغ درندوں کو فرشتہ بنا کر پیش کر رہے ہیں اور انصاف کے قاتلوں کو ہیرو بنایا جارہا ہے، ان حالات میں مسلمانوں کے لیے کرنے کا کام یہی ہے کہ وہ یہاں ایک نئی شیرازہ بندی کریں، خود آپس کے اختلاف کو نظر انداز کر کے کم سے کم ایک نکاتی سیاسی ایجنڈے پر متفق ہو جائیں کہ وہ فرقہ پرست سیاسی طاقتوں سے ملک کو بچائیں گے اور ایسی حکمت عملی اختیار کریں گے کہ آنے والے الیکشن میں سیکولر امیدوار کامیاب ہو سکے، ملی اتحاد کی اس کوشش کے ساتھ ساتھ کم سے کم تین اور طبقات کو ہمیں جمع کرنا چاہیے، اولاً: دوسری اقلیتوں کو، خاص کر سکھ اور عیسائی اقلیت کو، جو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں سیاسی اعتبار سے فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہیں، دوسرے: دلتوں کو جو ہزاروں سال سے مظلومانہ زندگی گزار رہے ہیں اور جن کو اپنے بارے میں یہ اعتراف ہے کہ وہ ہندو نہیں ہیں، انہیں زبردستی ہندو بنادیا گیا ہے، تیسرے: سیکولر برادران وطن کو، کیونکہ آج بھی ہندو بھائیوں کی اکثریت اس ملک کے فرقہ وارانہ رخ اختیار کرنے پر فکر مند بھی ہے اور متاسف بھی، اگر مسلمان ان تینوں گروہوں کو ساتھ لے کر ایک حلف الفضول قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں، ایک ایسا مشترکہ پلیٹ فارم بنائیں جو ہر ظلم کے مقابلہ میں کمر بستہ ہو اور ہر مظلوم کو انصاف دلانے کے لیے اٹھ کھڑا ہو، کسی دلت کے ساتھ زیادتی ہو تو پر امن طریقہ پر مسلمان احتجاج کریں اور کسی مسلمان کے ساتھ زیادتی ہو تو اس کے تحفظ کے لیے دلت آگے بڑھیں، اگر اس طرح کا کوئی پلیٹ فارم قائم کرنے میں مسلمان کامیاب ہو جائیں تو موجودہ حالات میں یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی اور بہت سے امراض کا مداوا اور مشکلات کا حل ہوگا۔

اس ملک کو بچانے، ملک کے دستور اور اس کی جمہوری قدروں کو بچانے اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نہ صرف اس ملک کی دوسری بڑی اکثریت ہونے کے لحاظ سے بلکہ خیر امت ہونے کی حیثیت سے بھی مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ حقیر اور وقتی سیاسی مفادات کو نظر میں رکھنے کے بجائے ملک وملت کے وسیع تر مفادات کو سامنے رکھ کر اس سلسلہ میں پیش قدمی کریں، اس کوشش میں منصوبہ بندی تو ضرور ہونی چاہیے لیکن اس کی تشہیر نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ ایسے معاملات کی تشہیر سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے، اگر موجودہ حالات میں مسلمان بے سمتی کا شکار رہے، انہوں نے سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق اپنے لیے راہ عمل متعین نہیں کی، تو اتنے بڑے نقصان کا خطرہ ہے جس کی تلافی دشوار ہو جائے گی، کیونکہ اس وقت ہمارا ملک ایک دوراہے پر کھڑا ہے، ایک راستہ یہ ہے کہ سیکولر طاقتیں اپنی کمزوری کی وجہ سے فرقہ پرست طاقتوں کے گھٹنے ٹیک دیں اور گویا اپنی شکست کا اعتراف کر لیں، یہاں تک کہ یہ ملک مستقل طور پر فرقہ پرستی کے راستہ پر چلا جائے، دوسرا راستہ یہ ہے کہ مسلمان سیکولر عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں، انہیں طاقت پہنچائیں، ان کے اندر فرقہ پرستی سے لڑنے کا حوصلہ پیدا کریں اور اس ملک کو ان لوگوں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑیں، جو اقتدار کو حاصل کرنے کے لیے انسانی خون کا دریا پار کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے۔

سچائی کیا ہے؟ (جاری)

بلال عبدالحی حسنی ندوی

بدترین جھوٹ:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بدترین جھوٹ یہ ہے کہ آدمی نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو اس کے متعلق کہے کہ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ (بخاری: ۷۰۴۳)

آپ ﷺ نے فرمایا: انتہائی بڑا جھوٹ اور افترا پردازی یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کو وہ دکھائے جو آنکھوں نے نہیں دیکھا، یعنی ایسے جھوٹے جھوٹے خواب بیان کرے جو خواب اس نے دیکھے ہی نہیں، اگر کوئی شخص اپنی بزرگی جتانے کے لیے، اپنی بڑائی بتانے کے لیے یا دنیا کے کسی اور مقصد کے لیے جھوٹے خواب بیان کرے تو یہ انتہائی بدترین گناہ ہے، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ آدمی خواب بیان کرے تو تبھی بیان کرے جب اس کو صحیح صحیح یاد ہو، اگر اس کو یاد نہیں ہے تو جتنا یاد ہے اتنا بیان کردے، لیکن لوگوں کے اندر خواب میں نمک مرچ لگانے کا جو مرض ہے یہ انتہائی گناہ کی بات ہے، کیونکہ آنکھوں نے جو دیکھا نہیں ان کو وہ دکھانا جائز نہیں ہے، بلکہ بدترین گناہ ہے اور افترا پردازی کی بات ہے، بہتر یہ ہے کہ جتنا خواب دیکھا ہے اتنا بیان کردے۔

عام بول چال میں جھوٹ:

حدیث کے الفاظ میں عموم ہے، اس لیے یہ صرف خواب ہی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ اس سے متعلق بھی ہے کہ آدمی نے جو نہیں دیکھا اس کو لوگوں کے سامنے جھوٹ نہ بیان کرے، لوگوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ بے جھجک بول دیتے ہیں کہ میں نے ایسا دیکھا ہے، میری آنکھوں کے سامنے ایسا ہوا ہے، حالانکہ کچھ نہیں ہوتا ہے اور آدمی جھوٹ بول رہا ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی اس طرح کی بات کہہ رہا ہے کہ میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے سامنے ایسا ہو رہا تھا، حالانکہ کچھ نہیں ہو رہا تھا، بلکہ وہ جھوٹ کہہ رہا ہے، گویا وہ اپنی آنکھوں کو وہ دکھا رہا ہے جو اس کی آنکھوں نے نہیں دیکھا، تو یہ بدترین گناہ ہے اور انتہائی درجہ کی افترا پردازی ہے، شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی کو بتانا ہی ہے تو جتنا دیکھا ہے اتنا بیان کردے۔

گواہی میں جھوٹ:

گواہی دینے میں خاص طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہاں آدمی جھوٹ سے کام لیتا ہے، جج پوچھتا ہے کہ بتاؤ تم نے کیا دیکھا؟ کیا قتل تمہارے سامنے ہوا؟ تو وہ گواہی دیتا ہے کہ ہاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، میرے سامنے اس شخص نے فلاں کو گولی ماری، جب کہ اس نے کچھ نہیں دیکھا ہوتا ہے، وہ صرف جھوٹ بولتا ہے، جھوٹی گواہی دے رہا ہوتا ہے، یاد رہے جھوٹی گواہی انتہائی بدترین گناہوں میں سے ہے اور سات بڑے گناہوں میں ایک ہے جن کو حدیث شریف میں موبقات کہا گیا ہے، یعنی وہ گناہ جو برباد کردینے والے، ہلاک کردینے والے اور جہنم میں پہنچانے والے ہیں، ان میں سے ایک جھوٹی گواہی دینا بھی ہے۔

جھوٹے خوابوں کا مقصد اور قرآنی حکم:

جھوٹے خواب بیان کرنا بھی بڑے گناہ کی بات ہے، آدمی کو خواب بیان کرنا بھی ہے تو اتنا ہی بیان کرے جتنا دیکھا ہے، عام طور سے لوگوں کے اندر مرض یہ ہے کہ وہ اپنی بات اسی لیے کہتے ہیں تاکہ اپنی بڑائی کا مظاہرہ کرسکیں، اس کی خاطر جھوٹے خواب بیان کرتے ہیں، تاکہ لوگ معتقد ہوجائیں اور لوگوں کا بھی حال یہ ہے کہ لوگ کچھ نہیں جانتے، کوئی بڑا خواب بیان کردے، جھوٹ بیان کرے یا سچ بیان کرے تو لوگ فوراً اس کے مرید ہوجاتے ہیں، ظاہر ہے یہ انتہائی بے وقوفی کی بات ہے، ہونا یہ چاہیے کہ آدمی دیکھے کہ وہ سنت پر چلتا ہے یا نہیں؟ اسی لیے قرآن مجید میں یہ بات کہی بھی گئی کہ ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ یعنی سچوں کے ساتھ رہو، یہ سب سے بڑی بات ہے، لہٰذا پہلے آدمی تحقیق کرے کہ سامنے والا شخص جھوٹ بول رہا ہے، یا سچ بول رہا ہے، کہیں وہ جھوٹا خواب یا

جھوٹی کرامت تو بیان نہیں کر رہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ کرامتیں یا خواب بیان کرتے ہیں، وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں، اگر کوئی اللہ والا ہے، وہ کبھی بھی اپنی بزرگی کی بات بیان نہیں کرے گا اور لوگوں کے سامنے کبھی برسرعام خواب بیان نہیں کرے گا، اللہ والے تو چھپانے والے ہوتے ہیں، اسی لیے جو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں وہ عام طور پر اپنی بڑائی جتانے کے لیے کرتے ہیں اور وہ عام طور سے جھوٹے ہوتے ہیں اور یہ انتہائی گناہ کی بات ہے کہ جو چیزیں اس نے دیکھی نہیں ہیں، جو حقیقت سے خالی ہیں، ان باتوں کا وہ تذکرہ کرے اور اپنی آنکھوں کو وہ دکھائے جو اس کی آنکھوں نے دیکھا نہیں، بلاشبہ یہ بڑے گناہوں میں سے ہے اور بڑے جھوٹ میں سے ہے، اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

خواب میں زیارت رسول:

یہاں ایک بہت اہم مسئلہ یہ ہے کہ لوگ نبی ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، یہ بڑا نازک مسئلہ ہے، یقیناً آپ ﷺ کی زیارت انتہائی سعادت کی بات ہے، لیکن اس میں بعض مرتبہ غلط فہمیاں ہوتی ہیں، حدیث میں آتا ہے:

''شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا۔'' (بخاری: ۶۱۹۷)

یعنی شیطان حضور اقدس ﷺ کی شکل اختیار نہیں کرسکتا، یہ حقیقت ہے کہ جس نے اللہ کے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا وہ حضور کو ہی دیکھنے والا ہے، اس میں کوئی دھوکہ ممکن نہیں، شیطان دھوکہ نہیں دے سکتا اور حضور ﷺ کی مبارک شکل میں شیطان نہیں آسکتا، لیکن یہ متعین کرنا کہ اس نے خواب میں حضور اقدس ﷺ ہی کو دیکھا ہے یہ ذرا دشوار کام ہے، اس کا احتمال ہوتا ہے کہ کسی دوسری شکل میں شیطان آئے اور یہ باور کرائے کہ دیکھنے والا اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھ رہا ہے، حالانکہ وہ حضور نہیں ہیں، کیونکہ شیطان حضور کی شکل میں نہیں آسکتا، لیکن وہ دوسری شکل میں آکر یہ باور کرا سکتا ہے کہ دیکھنے والا گویا اللہ کے نبی ﷺ کو دیکھ رہا ہے، اسی لیے آدمی کو اس میں دھوکہ ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کو اگر آدمی اسی مبارک شکل وصورت میں دیکھ رہا ہے جو شمائل میں منقول ہے تو امید یہی ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور اس کی ایک علامت یہ ہے کہ خواب کے بعد زندگی پر اس کا اثر پڑنا چاہیے، اگر خواب کے بعد سنتوں کا اہتمام بڑھ گیا، اللہ سے تعلق بڑھ گیا، زندگی میں کوئی بدلاؤ نظر آنے لگا، تو یہ ایک علامت ہے کہ گویا اس نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا، ورنہ حضور کو اگر اس مبارک شکل میں نہیں دیکھا جو شمائل میں ہے تو پھر یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہے، لہٰذا اس میں دھوکہ نہیں ہونا چاہیے۔

خواب بیانی میں احتیاط:

خواب میں زیارت رسول ﷺ کے مسئلہ میں لوگ بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں اور بڑی آسانی کے ساتھ بیان کردیتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا، یقیناً کتنی بڑی سعادت کی بات ہے، لیکن اول تو خواب ہر ایک کو بیان نہیں کرنا چاہیے، اگر کوئی بہت خاص تعلق کا ہو، چاہنے والا ہو، سمجھدار ہو، ذہین ہو، اس سے آدمی خواب کہے تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اچھی تعبیر دے گا اور خواب تعبیر پر معلق ہوتا ہے، جیسی تعبیر دی جاتی ہے بعض مرتبہ اس کے مطابق ہوتا ہے، تو اگر کسی ایسے شخص کو اس نے خواب بیان کردیا جو اس سے دشمنی رکھتا ہے، یا اندر سے کچھ بغض رکھتا ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ وہ اس کی غلط تعبیر دے گا اور اس کا اس کو نقصان بھی ہوسکتا ہے، یا وہ اپنے کسی ایسے چاہنے والے کو خواب بیان کر رہا ہے جو بدھو ہے اور صاحب فہم نہیں ہے تو وہ جلدی میں کوئی الٹی سیدھی تعبیر دے دے گا، لہٰذا خواب کو ہر جگہ بیان بھی نہیں کرنا چاہیے، بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی بڑائی کا اظہار کرنے کے لیے خواب بیان کرتا ہے، بڑائی کا مظاہرہ یوں بھی غلط ہے، اللہ کو یہ چیز پسند نہیں ہے۔

عشر وزکوٰۃ کے مصارف

مفتی راشد حسین ندوی

عشر وزکوٰۃ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کردیے ہیں اور بعض قیود احادیث میں لگادی گئی ہیں، لہٰذا زکوٰۃ صرف انہی مصارف میں دی جاسکتی ہے، ان کے علاوہ کسی مصرف میں زکوٰۃ دینے سے ادائیگی نہیں ہوگی اور پھر سے ادا کرنا ہوگا، مصارف کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبة: ٦٠) (زکوٰۃ تو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور اس کے کام پر جانے والوں کا اور ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے اور غلاموں (کے آزاد کرنے) میں اور قرض داروں کے قرض چکانے میں اور اللہ کے راستہ میں اور مسافر (کی ضرورت) میں (اس کو خرچ کیا جائے) اللہ کی طرف سے طے شدہ اور اللہ خوب جاننا بڑی حکمت رکھتا ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کا ذکر کیا ہے، ان مصارف کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- فقراء: فقیر کی جمع ہے، جس کے پاس مال ہو، لیکن نصاب سے کم ہو، یا مال نصاب تک پہنچ تو رہا ہو، لیکن یا تو نصاب (بڑھنے والا) نہ ہو یا حاجات اصلیہ میں لگا ہوا ہو۔

۲- مساکین: یہ مسکین کی جمع ہے، جس کے پاس کچھ بھی مال نہ ہو۔

۳- عاملین: عامل کی جمع ہے، جس کو مسلمان حاکم نے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کے لیے مقرر کیا ہو، یہ مالدار ہو تب بھی اسے بقدر کفایت زکوٰۃ کے مال سے دیا جاسکتا ہے، ہندوستان میں یہ مصرف بھی ظاہر ہے نہیں پایا جاتا، اس لیے کہ فقہاء نے مدارس کے سفراء کو اس میں شمار نہیں کیا ہے۔

۴- مؤلفہ قلوب: ترجمہ گذر چکا ہے کہ جن کو دلجوئی کے لیے دیا جائے، ابوبکر جصاص رازی نے آیات الاحکام میں بیان کیا کہ یہ تین طرح کے لوگ تھے، کچھ وہ کفار تھے جن کے شر سے بچنے کے لیے دیا جاتا تھا، کچھ وہ تھے جن کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے دیا جاتا تھا اور کچھ نئے نئے مسلمان تھے جن کو اسلام پر ثابت قدم رکھنے کے لیے دیا جاتا تھا، پھر حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عمر کے مشورہ سے اس مصرف پر دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اس لیے کہ اس مصرف کی اصل روح یہ تھی کہ ان کو دے کر اسلام کو مضبوط کیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب اسلام کو قوت حاصل ہوگئی ہے، لہٰذا اس مد پر صرف کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے، صحابہ نے اس پر سکوت اختیار کیا (اسی لیے کچھ علماء کی رائے ہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں اسلام پھر کمزور ہے، لہٰذا اس مد میں موجودہ حالات میں زکوٰۃ دینے کی اجازت ہونی چاہیے۔) (آیات الاحکام)

۵- رقاب: رقبہ کی جمع ہے، اس سے غلام کے معنی لیے جاتے تھے اور احناف کے نزدیک یہاں مکاتب یعنی وہ غلام مراد ہیں جن سے ان کے آقا نے معاہدہ کرلیا ہو کہ معینہ رقم ادا کرنے پر وہ آزاد ہیں، تو ان مکاتب غلاموں کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، تاکہ وہ اپنے آپ کو آزاد کرواسکیں، ظاہر ہے اب نہ غلام ہیں نہ مکاتب، اس لیے یہ مصرف بھی موجود نہیں ہے۔

۶- غارمین: غارم کی جمع ہے، جس کے معنی مقروض کے ہوتے ہیں، یعنی کوئی شخص مقروض ہو، تو اگر اس کے پاس مال ہو، لیکن قرضہ اتنا زیادہ ہو کہ ادائیگی کے بعد مال بالکل نہیں بچے گا، یا نصاب کے بقدر نہیں بچے گا تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

۷-فی سبیل اللہ: لفظی معنی اللہ کے راستہ میں اور صحیح قول کے مطابق اس سے وہ غازی اور مجاہد مراد ہیں جو مالی بے سروسامانی کی وجہ سے اسلامی لشکر سے بچھڑ گئے ہوں، لیکن ان کو دینا تبھی جائز ہوگا جب وہ نادار اور غریب ہوں۔

۸-ابن السبیل: وہ مسافر جو سفر کے دوران حاجت مند ہو جائیں، ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے، خواہ اپنے وطن میں مالدار ہوں، لیکن فی الحال وہاں سے منگوانا دشوار ہو۔ (شامی: ۲/۶۴-۶۷)

زکوٰۃ کا مستحق صرف مسلمان ہے

ان اصناف میں سے زکوٰۃ دینے والا کسی ایک صنف کو بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے اور چاہے تو تمام اصناف پر خرچ کرے، لیکن زکوٰۃ دینے کے لیے شرط یہ ہے کہ صرف مسلمان کو دینے سے ادا ہوتی ہے، غیر مسلم خواہ محتاج ہی کیوں نہ ہو اس کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہیں ہوگی، البتہ اس کی مدد نفلی صدقات سے کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں زکوٰۃ کے متعلق وارد ہوا ہے کہ وہ مالدار مسلمانوں سے لی جائے گی اور فقیر مسلمانوں کو دی جائے گی۔'' (بخاری: ۱۳۹۵، مسلم: ۳۱، شامی: ۲/۶۸-۷۳)

نیت ضروری ہے

کوئی بھی عبادت نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی اور چونکہ زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے، لہٰذا فقیر کو دیتے وقت نیت کرنا ضروری ہے، البتہ اگر زکوٰۃ کا حساب کرکے زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کی نیت سے الگ رکھ لی تو اب اگر مستحق یا مستحق کے وکیل (مدرسہ وغیرہ کے سفراء) کو دیتے وقت نیت نہ بھی کرے تب بھی ادائیگی ہوجائے گی۔

اور اگر دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہیں تھی، بعد میں خیال آیا کہ اس میں زکوٰۃ کی نیت کرلینی چاہیے تو اگر زکوٰۃ کا مال فقیر نے خرچ نہیں کیا ہے، یا ضائع نہیں ہوا ہے تو زکوٰۃ کی نیت کی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں۔ (ہندیہ: ۱/۱۷۱)

کن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

مندرجہ ذیل افراد محتاج ہوں تب بھی ان کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے:

(۱) اپنے اصول: جیسے باپ، دادا، پردادا، ماں، نانا، نانی، دادی اوپر تک۔ (۲) اپنے فروع: لڑکے لڑکیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں نیچے تک۔ (۳) اپنی بیوی یا اپنے شوہر۔ (۴) کافر (۵) صاحب نصاب مال دار اور اس کے بچے۔ (۶) بنو ہاشم: اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''ہم آل محمد کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں ہے۔'' (مسلم: ۱۰۶۹)

اور بنو ہاشم سے مراد یہ پانچ خاندان ہیں:

(۱) حضرت علیؓ کی اولاد (۲) حضرت عباسؓ کی اولاد (۳) حضرت جعفرؓ کی اولاد (۴) حضرت عقیلؓ کی اولاد (۵) حضرت حارثؓ کی اولاد۔

یہ شرف ابولہب کی اولاد کو حاصل نہیں ہے۔ (بدائع: ۲/۱۶۲)

مسجد اور رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کی ادائیگی جائز نہیں

زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوتی ہے جب مستحق کو باقاعدہ مالک بنادیا جائے، اسی وجہ سے زکوٰۃ کی رقم کو مسجد میں لگانا یا اس سے رفاہی کام کرنا جیسے راستہ یا نالی وغیرہ درست کرانا، یا اس سے میت کی تجہیز وتکفین کرنا جائز نہیں ہے، اگر سخت ضرورت ہو تو کسی غریب کو زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے اور وہ تجہیز وتکفین وغیرہ میں صرف کرے۔

(ہندیہ: ۱/۱۸۸، شامی: ۲/۶۸-۶۹)

عزیز واقارب کو زکوٰۃ دینا

اوپر ذکر کیا گیا کہ اصول اور فروع نیز زوجین کا باہم ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے، بقیہ عزیز واقارب جیسے بہن بھائی پھوپھی سوتیلی ماں وغیرہ اگر محتاج ہوں تو نہ صرف یہ کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بلکہ اس میں ترمذی کی حدیث کے مطابق دگنا اجر ہے، ایک صدقہ کرنے کا اجر، دوسرے صلہ رحمی کا اجر۔ (ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابہ: ۶۵۸، ہندیہ: ۱/۱۹۰)

زکوٰۃ کی رقم سے کوئی اور چیز تیار کرکے دینا

زکوٰۃ کی رقم سے غریبوں اور مستحقوں کے لیے مکان تیار کرکے ان کو مالک بنادینا، یا غریبوں کو زکوٰۃ کی رقم سے کپڑے یا کتابیں یا ان کے ضرورت کی کوئی اور چیز خرید کر دینا یا کسی غریب لڑکی کی شادی میں زکوٰۃ کی رقم سے کوئی سامان خرید کر دینا جائز ہے۔(شامی:۲/۲۴)

مقروض کا قرض معاف کرنا

مقروض کو قرض سے بری کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، خواہ وہ محتاج ہی کیوں نہ ہو، البتہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم اس کے حوالہ کردی جائے، پھر اپنا قرض وصول کرلیا جائے۔(شامی:۲/۱۳)

زکوٰۃ کی رقم شہر سے دوسرے شہر بھیجنا

بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم اپنے شہر کے مستحقین پر صرف کریں، لیکن اگر دوسرے شہر میں اعزاء ہوں یا ضرورت مند مدارس ہوں تو منتقل کرنا جائز بلکہ زیادہ باعث اجر ہوگا۔(ہندیہ:۱/۱۹۰)

ابوبکر الرازی (Greatest Physician)

ایران کے شہر ''رے'' کے ایک غریب گھر میں پیدا ہوئے، رازی کا پورا نام ابوبکر محمد بن زکریا الرازی ہے جنھیں یورپ میں Rhazes اور Abubaccer کے نام سے جانا جاتا ہے، فن طب میں رازی کے کارناموں کا اعتراف اس طور پر کیا گیا ہے کہ نویں صدی عیسوی کے نصف دوم کو ''عہد رازی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

میکس میر ہاف (Max Meyerhof) نے رازی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے: ''رازی بلاشبہ دنیائے اسلام کے عظیم ترین طبیب اور تاریخ انسانی کے عظیم ترین اطباء میں سے تھے۔''

رازی وہ پہلے طبیب ہیں جنھوں نے چیچک وخسرہ جیسے وبائی امراض پر توجہ دی، انھوں نے اس موضوع پر ''کتاب الجدری والحصبة'' نام کا ایک رسالہ بھی تحریر کیا جس کا لاطینی ترجمہ صدیوں تک یورپ میں مقبول رہا۔ فلپ ہٹی کے بقول: ''ان کے یادگاری نقوش میں چیچک اور خسرہ کے موضوع پر ایک شہرۂ آفاق رسالہ ہے جو اپنی قسم کی قدیم ترین تصنیف ہے اور جسے بجا طور پر عربوں کی طبی ادب کا زیور سمجھا جاتا ہے، اس میں ہمیں چیچک کے بارے میں اولین طبی تفصیل ملتی ہے۔''

رازی حریت رائے کے قائل تھے چنانچہ انھوں نے حکمائے یونان اور اپنے پیشروؤں کی کتابوں کا تنقیدی مطالعہ کیا، ان کا کہنا تھا کہ متاخرین متقدمین سے بہتر ہیں کیونکہ ان کے پاس متقدمین کے علم کے ساتھ اپنا حاصل کیا ہوا علم بھی ہوتا ہے۔

رازی نے مختلف موضوعات پر تقریباً دوسو کتابیں لکھی ہیں جن میں نصف سے زیادہ کتابیں طب کے موضوع پر ہیں، بارہ علم الکیمیاء پر، چند ایک فلسفہ اور روحانی علاج، نظر اور غروب شمس ونجوم پر ہیں، ایک کتاب زمین پر بھی ہے۔ رازی کی تصنیفات صدیوں تک یورپ پر اثر انداز ہوتی رہیں، ان میں سب زیادہ مقبولیت ان کی سب سے ضخیم کتاب ''الحاوی'' کو حاصل ہوئی ہے جو پچیس جلدوں پر مشتمل ہے، یہ دراصل ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں انھوں نے متقدمین کی صدیوں کی طبی سائنس کو یکجا کردیا ہے اور پھر اپنی ذاتی تحقیقات سے اس کی تکمیل کی، یہ کتاب طب کے اکثر پہلوؤں پر محیط ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ رازی نے ہی فن طب کو مرتب کرکے پیش کیا۔ اس کتاب کا لاطینی ترجمہ (Liber Continents) کئی صدی تک یورپ میں داخل نصاب رہا ہے۔ ول دوران لکھتے ہیں:

"Translated into Latin as liber continentist, was probably the most highly respected and frequently used medical text book in the which world for centuries.(1)"

(اس کا لاطینی ترجمہ Liber Continents کے عنوان سے ہوا، یہ غالباً سفید دنیا میں صدیوں تک سب سے محترم اور سب سے زیادہ مطالعہ کی جانے والی نصابی کتاب ہے)

اردو صحافت کی بدلتی قدریں

مولانا محمد مجیب الرحمٰن دیودرگی

ملک بھر سے بڑی تعداد میں اردو اخبارات نکلتے ہیں، کتنے ہی روزنامے، کتنے ہی سہ روزہ اخبار، کتنے ہی ہفت روزہ، لیکن کتنے اخبارات ایسے ہیں جو عریانیت کی لپیٹ میں آچکے ہیں اور اپنے اخبارات پر عریاں تصاویر کی اشاعت میں انہیں کوئی جھجک نہیں، فحش مناظر کے پیش کرنے میں انہیں کوئی عار نہیں، فحش خبروں کی اشاعت میں انہیں کوئی مانع ورکاوٹ نہیں۔

صحافت درحقیقت حق کو ثابت کرنے، باطل کو ختم کرنے کا مؤثر ہتھیار ہے، اس کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی بڑی حد تک ادا کیا جاسکتا ہے، اپنی بات عوام تک پہنچانے کا بہترین وسیلہ ہے، اپنے افکار وخیالات سے عوام کو آگاہ کرنے کا بہترین آلہ ہے، باطل کے خلاف منظم محنت کا وسیع عملی میدان ہے، الکٹرانک میڈیا سے پھیلنے والے زہر کے خاتمہ کا بہترین ذریعہ ہے، لیکن ادھر کچھ دنوں سے اردو صحافت سوقیانہ پن کا شکار ہوتی جارہی ہے، حیرت کی بات تو یہ ہے کہ کئی اخبارات تو وہ ہیں جو مذہبیت کے دعوے دار ہیں اور قوم میں عقل وشعور پیدا کرنے اور دین سے قریب کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں، لیکن وہ بھی مال ودولت کی حرص میں اس زہر آلود عریانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اہل اسلام کا ایک طبقہ وہ ہے جو ٹی وی کے زہر آلود اثرات سے دور ہے، جن کے خبریں جاننے کا ذریعہ عموماً اخبار ہی ہے، یہ افراد الکٹرانک میڈیا کے زہر اور عریانیت کے سیلاب سے محفوظ رہنے کی جدوجہد کررہے ہیں، لیکن افسوس جب وہ خبروں کو جاننے کے لیے، احوال کے علم کے لیے اخبارات ہاتھ میں لیتے ہیں تو یہ اردو اخبار بھی نیم برہنہ اور عریاں تصاویر شائع کرکے ان کا دل چھلنی کر جاتے ہیں اور انہیں یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ کیا ہم اب اردو اخبار بھی خریدنا بند کردیں؟ اخبارات کا مطالعہ عموماً سنجیدہ قسم کے افراد ہی کرتے ہیں جو اس طرح کی تصاویر ہرگز پسند نہیں کرتے، گندہ معاشرہ تو گندہ ہی ہے، لیکن یہ بے حیائی کے نظارے پاک باز افراد کو بھی گندگی پر آمادہ کرتے ہیں، عریاں تصاویر کی اشاعت صرف اشتہارات تک ہی محدود نہیں، بلکہ بعض دفعہ ماڈل گرلس اور بعض دفعہ اداکاراؤں کی عریاں تصاویر بھی شامل اشاعت کی جاتی ہیں، یہ درحقیقت ذمہ داروں کے ذوق کی عکاسی کرتی ہے، نہ تو ان تصاویر کی اشاعت سے قارئین کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ان تصاویر کی پیشکش سے بازاروں میں اخبارات کی اہمیت بڑھتی ہے، بلکہ بلاوجہ اس کے ذریعہ اپنے اخبار کو گندہ کیا گیا، نہ ہی عریاں تصاویر کی اشاعت توسیع اخبار کے لیے ضروری ہے اور نہ ہی عریاں اشتہارات کی اشاعت بقاء اخبار کے لیے ناگزیر، اس کے باوجود اس کا سہارا لیا جاتا ہے تو یہ سوچنا پڑے گا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ جس طرح اشتہارات سے حاصل شدہ رقوم کے مالکین اخبار محتاج ہوتے ہیں، ویسے ہی مشتہرین بھی ان اخبارات ہی کے محتاج ہوتے ہیں، پھر بھی جو طرز عمل اپنایا جاتا ہے سمجھ سے بالاتر ہے، جب کوئی اخبار مکمل دینی روح سے آراستہ نہیں ہوسکتا تو اسے مکمل طور پر دینی جذبہ سے خالی نہیں ہونا چاہیے، اگر کوئی روزنامہ ۱۰/ کی تعداد میں فروخت ہوتا ہے تو اوسطاً ہر اخبار کے پڑھنے والے پانچ شمار کیے جاتے ہیں، تو اس بے حیائی کا شکار کتنے آدمی ہوں گے، اگر کوئی روزنامہ ۵۰/ ہزار کی تعداد میں فروخت ہوتا ہے، اس سے بے حیائی کا شکار کتنے افراد ہوں گے؟ جتنے افراد شکار ہوں گے، جتنے افراد ان عریاں تصاویر کا مشاہدہ کریں گے، ان کا وبال ذمہ داروں کے سر ہوگا، کیونکہ انہوں نے گناہ کے لیے دعوتِ نظارہ دیا ہے۔

اپنے قارئین کی تعداد، اپنے اخبار کی تعداد بڑے ذوق وشوق سے ظاہر کی جاتی ہے، فخریہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے، کبھی اپنے اخبار کی بے حیائی سے متاثرین کی فہرست بھی دی جائے، کبھی اس بے حیائی کے شکار افراد کو بھی شمار کروایا جائے، بعض اردو اخبارات کے ذمہ داروں کی حس تو اتنی مردہ ہوچکی ہے کہ وہ ماہ رمضان میں بھی

عریاں تصاویر اور فحش اشتہارات سے نہیں چوکتے نیز بے حیائی کے فروغ کے لیے جس راہ اور جس زبان اور جس طریقہ کار کا انتخاب کیا گیا وہ انتہائی غلط ہے۔

ایک طرف اخبارات اخلاقی اقدار کی پامالی کے مرتکب ہیں تو دوسری جانب بہت سے رسائل بھی اپنے رسائل سے اخلاقیات کا جنازہ نکال رہے ہیں، کئی رسائل جو مذہبیت کے حامی ہیں، قوم کی تعمیر کے دعوے دار ہیں، ملت کی اخلاقی زبوں حالی پر ماتم کناں ہیں لیکن کیا قوم کی تعمیر فحش مناظر اور فحاشی وعریانیت سے لبریز خبروں سے کرنا جائز ہے؟ کئی رسائل اب بھی فلمی تہذیب وتمدن کی جھلکیں پیش کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے، الغرض! اردو جیسی مہذب زبان کا استعمال فحش خبر وترسیل اور فحاشی وعریانیت کے لیے کسی بھی درجہ میں درست نہیں، اولاً تو فحاشی کا فروغ ہی قابل مؤاخذہ ہے تو اس فحاشی سے اردو کو داغ دار کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟

اللہ تعالیٰ سورۂ نور میں فرماتے ہیں: بلاشبہ اہل ایمان میں سے جو لوگ فحش چیزوں کی اشاعت کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ آیت کریمہ میں فحش خبروں کو موردِ طعن ومورد ملامت قرار دیا گیا، فحش خبروں اور فحش گفتگو سے برائی کچھ پھیلتی ہے، برائی کا شیوع ہوتا ہے، فحش تصاویر کی اشاعت تو عوام کو برائی پر آمادہ کرتی ہے، ہیجان انگیز عریاں تصاویر گناہوں پر برانگیختہ کرتی ہیں، فحش تصاویر کی اشاعت کا جرم خبروں کی اشاعت سے بڑھا ہوا ہے، مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

''یہ بہترین نظام ہے جس سے کئی فوائد ہیں، عوام میں فحش خبروں کی اشاعت عوام کو گناہ پر آمادہ کرتی ہے اور گناہ میں پڑنا آسان ہوجاتا ہے اور آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محض فحش چیزوں کی اشاعت کی محبت عذاب کے لاحق ہونے کے لیے کافی ہے اور جو عملی طور پر اس میں شریک ہوں، ان کا جرم تو بہت بڑھا ہوا ہے اور عقاب بھی ہے۔'' (تفسیر منیر: ۱۸۲/۱۸)

اسی طرح مولانا عبدالماجد دریابادیؒ رقم طراز ہیں: ''قرآن کریم نے اس آیت کے ذریعہ امت کو ایک دستور العمل قیامت تک کے لیے پاکیزہ معاشرہ دیا ہے، اسلامی معاشرے میں گندے شہوانی تذکروں اور چرچوں کی جڑ ہی کاٹ دی، لیکن مقدم آیت کے عموم میں وہ تمام افعال وحرکات داخل ہیں جو امت کے معاشرہ میں براہ راست یا بالواسطہ کسی طرح بھی بے حیائی، شہوانیت، بدچلنی کے زندہ رہنے کا سبب بنتے ہیں، خواہ ان کا نام آرٹ کی سرپرستی یا کلچر کی ترقی ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔'' (تفسیر ماجدی: ۴۴۶/۳)

الغرض اردو اخبارات کے مدیران اور اس کے ذمہ داران سے ہمارا پرزور مطالبہ ہے کہ وہ اپنے اخبارات سے عریانیت وفحاشیت کا مکمل خاتمہ کریں اور ایسی خبریں جس سے فواحش کا فروغ ہوا، ان کی اشاعت سے باز رہیں، اسی طرح ایسے مناظر جن سے فواحش کو بڑھاوا ملے انہیں شائع کرنے سے مکمل اجتناب کریں اور عریاں اشتہارات سے گریز کریں، مدیران سے ہماری پرخلوص گزارش ہے کہ وہ اپنے اخبار میں دینی روح باقی رکھنے کی سعی جدوجہد کریں، اپنے اخبارات کا مطمح نظر صرف کمائی یا ریاکاری ونام ونمود نہ رکھیں، بلکہ اس سے درحقیقت امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنے اخبارات کے ذریعہ زرد صحافت کا تعاقب کریں، اپنے اخبار کے ذریعہ دعوتِ دین کا اہم اور بنیادی فریضہ انجام دیں، قارئین اخبار کی ذمہ داری ہے کہ وہ مراسلتی خطوط کے ذریعہ فواحش کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کریں، ان فواحش پر بند لگانے کا مطالبہ کریں، ان فواحش سے ہونے والے نقصانات سے آگاہ کریں اور انہیں یہ اطلاع دیں کہ اردو صحافت عریانیت کے تعاقب کے لیے ہے، نہ کہ عریانیت کے فروغ کے لیے، اگر انہیں عریانیت کے فروغ کے لیے استعمال کیا گیا تو زرد صحافت کا تعاقب کون کرے گا؟ ان اخبارات کے ذریعہ مکمل اسلامی روح پیش کرنے کا اہتمام کریں، ارباب حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ ان ذمہ داران اخبارات سے مؤثر نمائندگی کرتے ہوئے عریانیت کا خاتمہ کرنے کا مطالبہ کریں، انہیں آگاہ کریں کہ تصاویر سے نسل نو پر برے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔

Secularism

(سیکولرزم)

سید محمد مکی حسنی ندوی

"The belief that religion should not be involved with the ordinary social and political activities of a country."

کیمبرج انگلش ڈکشنری کے مطابق: ''ملک کے سیاسی و معاشرتی معاملات میں مذہب کو شامل نہ کرنے کا نام سیکولرزم ہے۔''

سیکولرزم کا ابتدائی مفہوم ''کلیسا اور مسیحیت سے آزادی'' کا تھا، چودھویں صدی میں پہلی بار یہ لفظ فرانس میں استعمال ہوا، اس کے پس منظر میں ''مقدس رومی سلطنت'' کی وہ تیس سالہ بھیانک جنگ ہے جو مذہبی بنیادوں پر لڑی گئی، یہ جنگ 1618ء سے 1648ء تک مسلسل تیس سال تک جاری رہی جسے ''Thirty Years' War'' بھی کہا جاتا ہے، اس جنگ میں جرمنی کی تقریباً آدھی آبادی ختم ہوگئی تھی۔ اس ہولناک جنگ کی پشت پر مسیحیت کے دو مذہبی فرقے کیتھولک (Catholic) اور پروٹسٹینٹ (Protestant) کے اغراض و مقاصد شامل تھے، دونوں اپنی سرحدوں اور اپنے اختیارات کی توسیع چاہتے تھے، اس جنگ میں کم وبیش اسّی لاکھ لوگ مارے گئے تھے، بھوک مری اور مختلف بیماریوں میں ہلاکت کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا، اس لحاظ سے یہ یورپ کی تاریخ میں سب سے خطرناک جنگ سمجھی جاتی ہے۔

اس عظیم جنگ نے یورپ کو بری طرح سے کھوکھلا کر دیا تھا، چونکہ اس جنگ کی بنیاد مذہبی اجارہ داری تھی اس لیے مذہب کے خلاف صدا کا بلند ہونا یقینی تھا، چنانچہ پورے یورپ میں مذہب بیزاری کی ایک لہر چل پڑی اور لوگوں نے خود کو کلیسا اور مسیحیت دونوں کی غلامی سے آزاد کرنا شروع کیا جسے مغربی دانشوروں نے ''سیکولرازم'' (Secularism) سے تعبیر کیا۔

سیکولرزم یا دوسرے لفظ میں مذہب وکلیسا بیزاری نے جلد ہی ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی، چونکہ یہ دور یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کا تھا، کلیسا کے خلاف عمومی بغاوتیں شروع ہوچکی تھیں، حکومتوں پر سے کلیسا کی گرفت ڈھیلی ہورہی تھی، اس کے قبضے سے زمینیں کھسکنے لگی تھیں، سیکولرزم نے ایک تحریک کی طرح حکومتوں کو کلیسا سے آزاد کرانے کا مشن شروع کیا جس کی شروعات فرانس سے ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ پورا یورپ اس تحریک میں شامل ہوگیا۔ سیکولرازم کا ابتدائی مفہوم کلیسا کے خلاف بغاوت ہی تھا لیکن جیسے جیسے اس میں شدت آتی گئی اس کا مفہوم بھی سخت ہوتا گیا اور پھر عقل وفہم سے ہٹ کر ہر مذہبی بات کو سیکولرزم کے خلاف تعبیر کیا جانے لگا۔

سیکولرزم کا تصور مغرب میں مختلف سمتوں سے اپنی ارتقائی منازل طے کرتا رہا ہے، لیکن اس لفظ کی مخصوص اصطلاح اس وقت رائج ہوئی جب 1851ء کو انگلینڈ میں ایک مغربی بنیاد پرست ملحد جارج ہولیوک (George Jacob Holyoake) نے اسی نام سے ایک تحریک شروع کی۔ ہولیوک نے اس تحریک کو مؤثر بنانے کے لیے نئے مفاہیم اور نئے دلائل مرتب کیے، اس نے آزاد خیالی (Free Thought) اور الحاد ودہریت (Atheism) کو سیکولرزم کے لفظ سے متعارف کرایا، اس طرح یورپ میں اس تحریک کو پذیرائی ملی اور ہولیوک سیکولرزم کا روح رواں بن گیا۔

سیکولرزم تحریک کی بنیادوں میں مذہب کا انکار شامل نہیں تھا یعنی ہولیوک نے سیکولرزم اور مذہب کو ایک دوسرے کا حریف قرار نہیں دیا، لیکن یہ تحریک مذہب کے سلسلہ میں اپنے رجحانات پر قائم نہ رہ سکی اور بعد میں آنے والے سیکولر مفکرین نے سیکولرزم اور مذہب کو ایک کو دوسرے کا حریف ودشمن قرار دے دیا۔ مذہب سے متعلق ایسے متشدد نظریات کو "Extreme Secularism" کہا جاتا ہے جبکہ دوسرے نظریات "Soft Secularism" کہتے ہیں یعنی ایسے افکار جن میں مذہب سے متعلق نرمی پائی جاتی ہے۔

سیکولرزم کو فکری غذا فراہم کرنے میں مغرب کے متعدد اہل فکر

ودانش کے افکار ونظریات نے بھی کلیدی کردار ادا کیا ہے جن میں ڈارون (Darwin) کے ''نظریۂ ارتقا'' (Theory of Evolution) کارل مارکس (Karl Marx) کے ''کمیونزم'' (Communism) ڈسکارٹس (René Descartes) کے ''نظریۂ عقلیت'' (Theory of Rationalism)، جان پول سارتر (Jean-Paul Sartre) کے ''نظریۂ وجودیت'' (Theory of Existentialism)، آدم اسمتھ (Adam Smith) کے ''کیپٹل ازم'' (Capitalism)، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ مسلم حکمراں و دانشوروں میں کمال اتاترک، طٰہٰ حسین، جمال عبد الناصر، انور السادات، علی پاشا، سرسید احمد خاں، چراغ علی، عنایت علی، عنایت اللہ مشرقی، غلام پرویز، غلام قادیانی وغیرہ نے بھی سیکولرزم کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔

قدیم زمانہ سے مختلف مذاہب کے پیشوا اور قوم کے دانشوروں نے انسانی مسائل میں غور وفکر، بحث ومباحثہ اور ترقی کی راہ کو ہموار کرنے والی نئی تحقیقات اور جدید وسائل کو اختیار کرنے میں رکاوٹ بنا رکھی تھی، ان مذاہب کو کسی بھی حکومت اور قانون سے زیادہ طاقت اور اختیارات حاصل تھے۔ ان بااختیار مذاہب میں یورپ میں عیسائیت، یہودیت، یونان کے شدت پسندوں کے فلسفے اور پھر ایشیا میں ہندومت، بودھ مذہب اور کچھ مسلم حکمراں بھی شامل ہیں جن کی تنگ نظری نے عوام کو مذہب سے دور کیا اور سکولرزم کو فروغ کے مواقع حاصل ہوئے۔

سیکولرزم کے فروغ میں مذہبی اجارہ داری کے علاوہ جن دیگر عوامل نے اہم کردار ادا کیا ہے ان میں قومیت پرستی سرفہرست ہے۔ مذہب نے جہاں جنسوں، اقلیتوں اور روزمرہ کی زندگی میں درجہ بندی کر رکھی تھی، وہیں علاقائی، قومی اور لسانی تشخص نے اس بات پر لوگوں کو آمادہ کیا کہ ایسی حکومت کا قیام ہو سکے جہاں اپنے لوگوں کو ہر طرح کی آزادی اور ترقی کے مواقع فراہم ہو سکیں۔ اس دوڑ میں جرمنی، فرانس، ترکی، عرب ممالک، افریقا، امریکہ، چین، روس، جاپان وغیرہ تقریباً دنیا کی ہر قوم نے اپنا ملک علاحدہ قائم کیا اور دیگر قوموں کا مطالبہ ابھی بھی جاری ہے۔

انیسویں صدی کے بعد سے سیکولرزم کو یورپ میں نشو نما حاصل ہوا اور اس کی وسعت نے تمام نظامہائے زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے اور انسانی زندگی کے معاشرتی، معاشی، تعلیمی اور سیاسی شعبوں کی تشکیل نو اس طور پر ہوئی کہ ان میں مذہب کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، اجتماعی امور سے مذہب کو بے دخل کر کے نجی زندگی (Private life) تک محدود کر دیا گیا، یورپ میں اس تبدیلی کے دُوررس اثرات مرتب ہوئے، چنانچہ جہاں سیکولرزم سے قبل معاشرہ میں مذہبی تعلیمی اور اثرات کی وجہ سے عفت وعصمت اور شرم وحیا کا پاس ولحاظ کیا جاتا تھا، خاندانی نظام مضبوط بنیادوں پر استوار تھا، جبکہ سیکولر معاشرتی نظام میں یہ اخلاقی قدریں ناپید ہوگئیں، معاشرہ سے شرم وحیا کا تصور یکسر ختم ہوگیا، خاندانی نظام بکھر گیا اور عریانی وفحاشی کا ایسا سیلاب امنڈ پڑا کہ پورا معاشرہ مختلف جرائم اور متعدد بیماریوں کا شکار ہوگیا۔

مغربی سامراج کے ساتھ ساتھ مختلف ملکوں میں سیکولرزم کی جڑیں بھی گہری ہوتی چلی گئیں، لیکن جب سامراج کے پنجہ سے مسلم ممالک آزاد ہونے لگے تو مغربی طاقتوں نے روشن خیالی، حقوق انسانی اور مساوات کے پرفریب نعروں کے ذریعہ ان ملکوں پر سیکولرزم کو تھوپنے کی کوشش کی جس کا سب سے کامیاب نتیجہ ترکی میں ظاہر ہوا جس نے مغربی طاقتوں کے حوصلے بلند کر دیے۔

سیکولرزم کا مقصد مسلمانوں میں سے مذہبی شعور کو ختم کر کے مادیت کے اس دلدل میں پھنسانا ہے جس میں یورپ گلے گلے ڈوبا ہوا ہے، لیکن یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ امت مسلمہ کبھی بھی سیکولرزم کو قبول نہیں کرے گی، اس کا تمام وجود اس کی مزاحمت کرتا رہے گا اور پوری قوت سے اس کو مسترد کرتا رہے گا، یہی وجہ ہے کہ سیکولر طاقتوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک کشمکش بپا ہے جو کبھی مدھم پڑ جاتی ہے اور کبھی تیز ہو جاتی ہے لیکن مسلسل جاری رہتی ہے۔

رام راجیہ کا قافلہ کہاں رُکے گا؟

محمد نفیس خاں ندوی

جس وقت بابری مسجد دن دھاڑے شہید کی جارہی تھی اس وقت ''نام نہاد رام بھگتوں'' کی زبان پر یہ نعرہ بھی تھا ''یہ تو کیول جھانکی ہے- کاشی متھرا باقی ہے۔''

ہندستان میں سنگھ پریوار کی بنیاد جن مقاصد کے تحت ہوئی تھی ان میں ''رام راجیہ'' کا جلی عنوان بھی شامل تھا، ظاہری طور پر رام راجیہ سے مراد ایک ایسی حکومت کا تصور ہے جہاں امن وانصاف کا بول بالا ہوگا اور کسی بھی طرح کی مذہبی منافرت کے بغیر امن وآشتی کی فضا قائم ہوگی، لیکن جس طرح دلتوں اور اقلیتوں کو دھتکارا جاتا ہے، انھیں بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کیا جاتا ہے اور جس طرح مسلمانوں کے مذہبی تشخص اور ان کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے اس صاف ظاہر ہے کہ رام راجیہ محض ایک سیاسی عنوان ہے اور مقصد اقتدار کی کرسی پر ایک خاصہ طبقہ کی گرفت!

سنگھ پریوار نے تقریباً ایک صدی قبل جس ''رام راجیہ'' کا سفر شروع کیا تھا اس میں نفرت وتعصب اور فرقہ واریت کے چھوٹے بڑے پڑاؤ کے بعد پہلی منزل بابری مسجد کی شہادت تھی۔ عام ہندوؤں کو یہ باور کرایا گیا کہ ان کے بھگوان رام جہاں پیدا ہوئے تھے اسی جگہ پر مسجد کی تعمیر کی گئی ہے، اس لیے مسجد کو ہٹا کر اس کی جگہ ''رام مندر'' کی تعمیر ہر ہندو کے دل کی پکار ہے، پھر اسی نظریہ کو مدعا بنا کر پورے ملک میں سیاست چلائی گئی، اور اسی ''عقیدہ'' کی بنیاد پر عدالتوں کے فیصلے آئے۔ تعجب خیز تو یہ ہے کہ عدالت نے یہ تسلیم کیا کہ بابری مسجد کی جگہ پر کسی بھی مندر کے آثار نہیں پائے گئے اور مسجد کی شہادت ایک سنگین جرم تھا پھر بھی ہندوؤں کی ''آستھا'' کے مدنظر مسجد کی جگہ ''رام مندر'' کے لیے دے دی گئی اور ملزموں کو آزاد بھی کر دیا گیا۔

ہندو روایات کے مطابق رام (ایودھیا) کرشن (متھرا) اور شیو (کاشی) یہ تینوں بھگوان ان کے لیے سب سے اہم ہیں، اس لیے ان تینوں کی جائے پیدائش ان کے نزدیک قابل احترام ہے، لیکن تعجب خیز یہ ہے ان کے پاس اپنے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے، نیز ان تینوں جگہوں کی نسبت جن اراضی کی جانب کی جاتی ہے وہاں پر مسلمانوں کی عظیم عبادت گاہیں قائم ہیں۔

1991ء میں حکومت نے عبادت گاہوں سے متعلق یہ قانون (Places of Worship Act) پاس کیا تھا کہ 15/اگست 1947ء میں جو مذہبی مقام جس شکل میں تھا وہ اسی حیثیت میں باقی رہے گا، چنانچہ بابری مسجد- رام جنم بھومی مقدمہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعد یہ امید تھی کہ اب کسی دوسری مسجد یا مذہبی مقام کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی، البتہ اس قانون سے بابری مسجد مستثنیٰ تھی، جس کا پورا فائدہ ''کارسیوکوں'' نے اٹھایا۔ بابری مسجد کی شہادت اور پھر پورے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات نے یہ ثابت کر دیا کہ ''رام راجیہ'' ایک سیاسی عنوان ہے جسے فرقہ پرست تنظیم اپنے مفاد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔

ہندوؤں کا بے بنیاد دعویٰ ہے کہ 1669ء میں مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے متھرا میں موجود کرشنا مندر کو توڑ کر اس کی جگہ شاہی عیدگاہ مسجد تعمیر کرائی تھی، اس لیے اس پورے احاطہ (37.13/ایکڑ) کا مالکانہ حق ان کو ہی ملنا چاہیے۔ اسی عقیدہ کے تحت تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل ہندوؤں نے مسجد سے متصل ایک بلند قامت مندر کی تعمیر بھی کی، پھر ملک کے طول وعرض سے اس کے درشن کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

1960ء میں فرقہ وارانہ تنازعات نے جنم لیا اور متھرا کا ماحول کشیدہ ہونے لگا، دونوں فریق کا جانی ومالی نقصان ہونے لگا، شہر میں بدامنی کی فضا قائم ہونے لگی جس کے اثرات ملک کے دیگر علاقوں

میں بھی محسوس کیے جانے لگے، بالآخر 1968ء کو شاہی عیدگاہ مسجد انتظامیہ کمیٹی اور ''شری کرشن جنم استھان سیوا سنستھان'' کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں دونوں فریق نے اپنے مقدمے واپس لیے اور مسجد ومندر کی جگہ متعین کردی گئی، اس طرح ایک بار پھر امن وآشتی کی فضا قائم ہوگئی۔

لیکن جس دن (30/ ستمبر) کو لکھنؤ سی بی آئی عدالت نے بابری مسجد کے ملزمین کو بری کیا تھا اسی دن متھرا ضلع کی ایک عدالت میں متھرا کی شاہی عیدگاہ مسجد کا تنازع کھڑا کردیا گیا، سخت گیر تنظیم ''اکھل بھارتیہ ہندو مہاسبھا'' نے یہ اعلان کردیا کہ متھرا کی شاہی عیدگاہ مسجد حقیقت میں بھگوان کرشن کی جنم بھومی ہے اس لیے چھ دسمبر (بابری مسجد کے یوم شہادت) کو وہاں مہا جل ابھیشیک (پانی سے دھونے) کی تقریب ہوگی پھر بھگوان کرشن کی مورتی ان کے جنم استھان پر نصب کی جائے گی۔ اس کے بعد ایک دوسری نارائنی سینا نامی سخت گیر تنظیم نے بھی اعلان کردیا کہ وہ جمنا کے وشرام گھاٹ سے شری کرشنا جنم استھان یعنی عیدگاہ تک ایک سنکلپ یاترا نکالے گی۔ ان تنظیموں کے علاوہ بھارتی جنتا پارٹی کے نائب وزیر اعلی (یوپی) کیشو پرساد موریہ کے بیان نے بھی ماحول مزید گرم کردیا، انھوں نے اپنے ایک ٹوئٹ میں کہا کہ ''ایودھیا کاشی میں شاندار مندر کی تعمیر کا کام جاری ہے، متھرا کی تیاری ہے''۔

ان اعلانات کے بعد گرچہ انتظامیہ نے چوکسی کا مظاہرہ کیا اور حالات کو کنٹرول کرنے کا دعویٰ بھی کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ متھرا کی فضاؤں میں نفرت کا زہر گھل گیا اور اس کے زہریلے اثرات سڑکوں و بازاروں سے ہوتے ہوئے پورے صوبہ میں پھیل گئے۔

متھرا کی طرح بنارس میں گنگا کنارے وشوناتھ مندر سے ملحق صدیوں پرانی گیان واپی مسجد بھی سخت گیروں کے نشانہ پر ہے، پچھلی کئی صدیوں سے مندر اور مسجد دونوں ایک ساتھ قائم ہیں، لیکن جب سے رام راجیہ کا قافلہ حرکت میں آیا ہے یہاں کی گنگا جمنی تہذیب بھی خطرہ میں ہے، اور اور پوری شدت سے اس مسجد کو بھی مسمار کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔

سنگھیوں کا دعویٰ ہے کہ پورے ملک میں تقریباً تین ہزار مساجد ایسی ہیں جو مغلوں نے مندر مسمار کرکے بنائی تھیں اور یہ مسجدیں غلامی کی یادگار ہیں جو انھیں غلامی کا احساس دلاتی ہیں، اس لیے غلامی کی ان علامتوں کو مٹانا ضروری ہے۔ ان مساجد میں دہلی کی جامع مسجد اور مسجد قوۃ الاسلام اور لکھنؤ کی ٹیلے والی مسجد پر پہلے ہی مقدمات چل رہے ہیں۔

انتخابات کے قریب آتے ہی مختلف مساجد پر کارروائی کا مطالبہ بڑھ جاتا ہے اور رام راجیہ کے فلک شگاف نعرے گونجنے لگتے ہیں۔

رام راجیہ کا یہ قافلہ نفرت وتعصب کے جس راستہ سے گذر رہا ہے وہاں صرف مسجدیں یا ان کی اذانیں ہی نشانہ پر نہیں ہیں بلکہ سیاسی بساط پر مہریں بدلتی رہتی ہیں چنانچہ جب مسجد کا معاملہ کچھ ٹھہرنے لگتا ہے تو دیگر موضوعات کو کھڑا کردیا جاتا ہے، پھر کبھی گؤکشی کے نام پر موب لنچنگ ہوتی ہے، کبھی وندے ماترم کے حوالہ سے ملک سے غداری کا الزام لگایا جاتا ہے، کبھی جے شری رام بلوانے کے لیے ڈنڈوں سے پیٹا جاتا ہے، کبھی یکساں سول کوڈ کے نام پر مسلم عائلی قانون پر حملہ کیا جاتا ہے، کبھی دو سے زائد بچوں کے عنوان سے استہزا کیا جاتا ہے، غرض قافلہ کے ہر پڑاؤ پر ایک نیا موضوع کھڑا ہوتا ہے اور ایک خاص طبقہ اپنا سیاسی مفاد حاصل کرتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کاشی ومتھرا اور دہلی وغیرہ میں مساجد کے ساتھ حکومت شر پسند عناصر کو وہ سب کچھ کرگذرنے کی چھوٹ دے گی جو انھوں نے بابری مسجد کے ساتھ کیا تھا؟ یا حکومت ان مساجد کی حفاظت کرکے ملک کی جمہوریت کو داغ دار ہونے سے بچائے گی۔

واضح رہے کہ سنگھ پرویوار نے محتاط منصوبہ بندی کے ذریعہ آہستہ آہستہ جمہوریت کو مٹانے کا سلسلہ شروع کردیا ہے، اور اپنی تمام تر غیر جمہوری سرگرمیوں کے لیے سنگھی نواز بیوروکریسی اور عدلیہ کا ایک نیٹ ورک تیار کرلیا ہے، لہٰذا ایسے حالات میں عوام کو چاہیے کہ وہ خاموشی کے ساتھ سسٹم کا حصہ بننے کے بجائے جمہوری اقدار کی حفاظت کی فکر کریں کیونکہ اس ملک کی ترقی وبقا کی ضمانت جمہوریت اور سیکولرزم میں ہی ہے اور اسی میں آنے والی نسلوں کی حفاظت ہے۔

اصلاحی خطبات

ماہِ رجب اور کونڈوں کی بدعت

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

''رجب کے مہینہ کے بارے میں جو بات صحیح سند کے ساتھ حضور ﷺ سے ثابت ہے وہ یہ کہ جب آپ رجب کا چاند دیکھتے تھے تو چاند دیکھ کر آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ: "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِی رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ" (اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان کے مہینہ میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجیے۔''

رجب کا مہینہ رمضان کا مقدمہ ہے، اس لیے رمضان کے لیے پہلے سے اپنے آپ کو تیار کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے حضور اقدس ﷺ دو مہینے پہلے سے دعا بھی فرما رہے ہیں اور لوگوں کو توجہ دلا رہے ہیں کہ اب اس مبارک مہینہ کے لیے اپنے آپ کو تیار کرلو اور اپنا نظام الاوقات ایسا بنانے کی فکر کرو کہ جب یہ مبارک مہینہ آئے تو اس کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں صرف ہو۔

لیکن اس سے بھی زیادہ آج کل معاشرہ میں فرض وواجب کے درجہ میں جو چیز پھیل گئی ہے وہ کونڈے ہیں، اگر آج کسی نے کونڈے نہیں کیے تو وہ مسلمان ہی نہیں، نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزے رکھے یا نہ رکھے، گناہوں سے بچے یا نہ بچے، لیکن کونڈے ضرور کرے اور اگر کوئی شخص نہ کرے یا کرنے والوں کو منع کرے تو اس پر لعنت اور ملامت کی جاتی ہے، خدا جانے یہ کونڈے کہاں سے نکل آئے؟ نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، نہ تابعین رحمہم اللہ سے، نہ تبع تابعین رحمہم اللہ سے اور نہ بزرگان دین سے، کہیں سے اس کی کوئی اصل ثابت نہیں اور اس کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں دین کا کوئی دوسرا کام ہو یا نہ ہو لیکن کونڈے ضرور ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ذرا مزہ اور لذت آتی ہے اور ہماری قوم لذت اور مزہ کی خوگر ہے، کوئی میلہ ٹھیلہ ہونا چاہیے اور کوئی حظ نفس کا سامان ہونا چاہیے اور ہوتا یہ ہے کہ جناب! پوریاں پک رہی ہیں، حلوہ پک رہا ہے اور ادھر سے ادھر جا رہی ہیں اور ادھر سے ادھر آ رہی ہیں اور ایک میلہ لگا ہوا ہے، تو چونکہ یہ بڑے مزے کا کام ہے، اس واسطہ شیطان نے اس میں مشغول کر دیا کہ نماز پڑھو یا نہ پڑھو، وہ کوئی ضروری نہیں، مگر یہ کام ضرور ہونا چاہیے۔

ان چیزوں نے ہماری امت کو خرافات میں مبتلا کر دیا ہے، اس قسم کی چیزوں کو لازمی سمجھ لیا گیا اور حقیقی چیزیں پس پشت ڈال دی گئیں، اس کے بارے میں رفتہ رفتہ اپنے بھائیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ بہت سے لوگ صرف ناواقفیت کی وجہ سے کرتے ہیں، ان کے دلوں میں کوئی عناد نہیں ہوتا، لیکن دین سے واقف نہیں، ان بے چاروں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں ہے، اس لیے ایسے لوگوں کو محبت، پیار اور شفقت سے سمجھایا جائے۔''

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 14 ✦ February 2022 ✦ Issue: 02

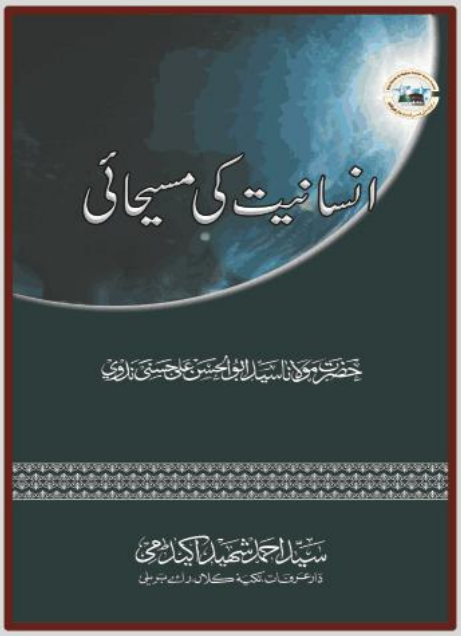

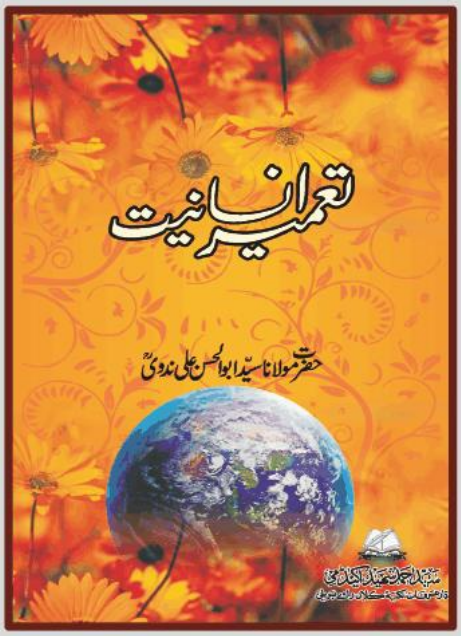

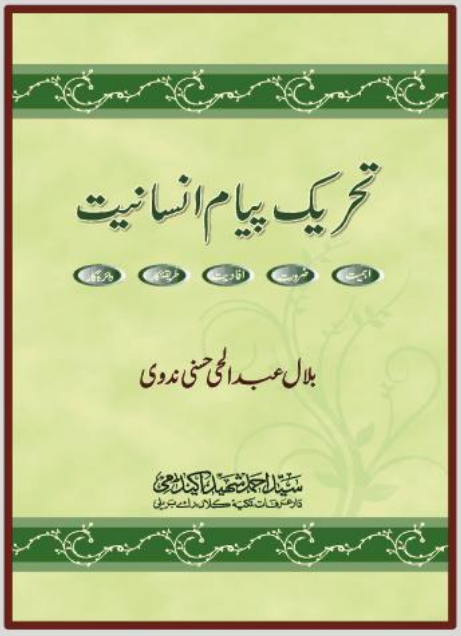

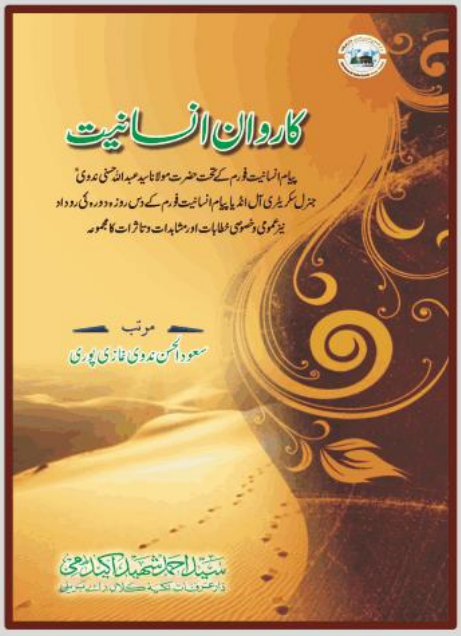

Rs. 15/-

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)